جلد ۱۶ — امان ۱۳۵۴ ہش — شمارہ ۳

مارچ ۱۹۷۵ء

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

ماہنامہ انصاراللہ ربوہ

مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا ترجمان

سالانہ بدل اشتراک
پاکستان آٹھ روپے
دیگر ممالک ایک پونڈ

فی پرچہ پچھتر پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

امان ۱۳۵۴ ہش

صفر ۱۳۹۵ ہجری - مارچ ۱۹۷۵ء

ایڈیٹر

غلام باری سیف

فی پرچہ
پچھتر پیسے

قیمت سالانہ
آٹھ روپے

فہرست مضامین

ناشر .... چوہدری محمد ابراہیم

مطبع .... ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقامِ اشاعت ..... دفتر ماہنامہ انصار اللہ

دار الصدر جنوبی ربوہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جلد ۱۶ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۳

امان ۱۳۵۴ ہش

(۱)

عید میلاد النبیؐ

امسال ماہ مارچ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت ہے۔ اس دن کو "عید میلاد النبی" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اس دن مسلمانان عالم اپنے محبوب آقا کی خدمت میں اپنے جذبات و عقیدت کا اظہار کریں گے۔ لوگ جلوس نکالیں گے۔ آرائشی محرابیں بنائیں گے۔ رنگ برنگ کی جھنڈیاں آویزاں کی جائیں گی۔ مٹھائیاں تقسیم ہونگی۔ آتشبازیاں اور پٹاخے چھوڑے جائیں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جلسے منعقد کئے جائیں گے۔ نعتیں اور قوالیاں پیش کی جائیں گی۔ الغرض اپنے اپنے جذبات کا اظہار اپنے اپنے ذوق اور علم کے مطابق کیا جائے گا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں شاعر النبیؐ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ایک شعر کہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ ٭ کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

اے میرے آقا! تُو ہر عیب اور نقص سے پاک پیدا کیا گیا ہے۔ گویا کہ جیسا تُو نے چاہا پیدا کیا گیا۔ لاریب آپ کی ذات ہر نقص اور عیب سے پاک اور ہر خوبی اور کمال کی جامع۔ وہ معراج انسانیت، وہ فخر بشریت وہ سردار انبیاء، وہ تاج مرسلین، جس نے اس خس و خاشاک کی دنیا کو اخلاق کے پھولوں سے آراستہ و پیراستہ کیا۔ وہ نہ آتے تو یہ دنیا درندوں کی مسکن ہوتی۔ اس نے اخلاق کی اعلےٰ راہیں دکھلائیں۔ آپ کی تخلیق کی غرض جبین انسانیت

پر شر ف کا سہرا سجانا تھا۔ بجا فرمایا ہمارے آسمانی آقا اللہ تبارک وتعالےٰ نے لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ اے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تو کائنات کی تخلیق کا منتہائے مقصود تھا۔ اگر تو نہ ہوتا تو یہ لاجوردی آسمان نہ ہوتا۔ یہ مٹیالی زمین نہ ہوتی، گلوں میں خوشبو نہ ہوتی۔ ہوا میں لطافت نہ ہوتی۔ چاند کی چاندنی بے نیاز ہوتی۔ سورج کی تمازت پھر کس کام آتی۔ یہ سبھی کچھ اس آسمانی دولہا کے استقبال کے لئے تھا وہ ہمارا آسمانی آقا کا بنی نوع انسان کے لئے ایک عظیم عطیہ تھا۔ وہ خدا تو نہ تھے لیکن زمین و آسمان کے خالق۔ تمام قدرتوں کے مالک کا مظہر ضرور ہے۔ حفظِ مراتب کا ہی خیال فرماتے ہوئے آپ کے ایک عاشق نے کہا تھا

خدا نہ گویم ز ترس حق مگر بخدا ؛ خدا نماست وجودش برائے عالمیاں

کہ میں خدا کے ڈر سے آپ کو خدا نہیں کہتا۔ لیکن اس حقیقت کا اظہار کرنے سے مجھے کوئی باک نہیں کہ اس کا وجود جہانوں کے لئے خدا نما ہے

وہ محبوب خدا، وہ جس کی تعریف میں سلیمان کی غزل الغزلات ہے۔ وہ تورات کا "محمدیم" خُلق اور خَلق دونوں میں کامل اور باکمال تھا لیکن آج انسان کے گیسوئے اخلاق کو سنوارنے کے لئے آپ کی سیرت کردار و زندگی کے مختلف پہلو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ کے نام لیواؤں کو آپؐ کی زندگی کا مطالعہ کر کے آپ کے نقش قدم پر چلنے کی ضرورت ہے۔ وہ اسوہ حسنہ ہیں۔ زندگی کے ہر پہلو میں ہمارے لئے نمونہ ہیں۔ ہم جو آپ کے نام لیوا ہیں تو ہماری زندگیوں میں تضاد کیوں ہو۔ جب ہم آپؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ آپؐ سے محبت کا دعوے کرتے ہیں تو آپ کے نقش قدم پر کیوں قدم نہیں مارتے۔ آپ کی تعلیم سے دنیا کو روشناس کراتے ہیں۔ تو آپؐ کے چلن کو ہم کیوں اختیار نہ کریں۔ اسی نسبت سے حضورؐ کی سیرت کے بارہ میں مدینۃ العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک بیان درج کرتا ہوں۔ شمائل ترمذی میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ آپ نے حضرت علیؓ سے آپؐ کی خلوت و جلوت کے متعلق دریافت فرمایا تو حضرت علیؓ نے اسے تین حصوں میں تقسیم فرمایا۔ آپؐ کی گھریلو زندگی۔ گھر سے باہر کی مشغولیت۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلسی زندگی۔

(۲)

حضورؐ کی گھریلو زندگی

حضرت علیؓ نے فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب گھر تشریف لاتے تو آپ تین حصوں میں اپنے اس وقت

کو تقسیم فرماتے۔ ایک تہائی وقت اللہ عزّوجل کی عبادت اور ذکرِ الٰہی میں گزارتے اور ایک تہائی اپنے اہل و عیال کے لئے اور ایک تہائی اپنے نفس کے لئے۔ اس آخری تہائی وقت میں سے بھی تیسرا حصہ خاص خدام اور خصوصی تعلق والوں کے لئے ہوتا اور آپ اس وقت میں جو علمی گفتگو فرماتے وہ عوام تک پہنچ جاتی۔ وہ اس سے محروم نہ رکھے جاتے۔ اور یہ امر آپ کی سیرت میں داخل تھا کہ امت میں سے اہلِ فضل آپ کی اجازت سے آپ کے ہاں جاتے۔ اور یہ فضیلت ان کی دینداری کی وجہ سے ہوتی تھی اور وہ اپنے پیش آمدہ علمی مسائل حضورؐ سے دریافت فرماتے۔ مسائل کا جواب دینے کے بعد حضورؐ ان سے فرماتے دوسروں کو بھی یہ مسائل بتائیں آپؐ صحابہؓ سے فرماتے ہمیشہ میرے پاس ان کی ضروریات پہنچایا کرو جو میرے تک پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے کیونکہ جو امیر تک ان کی ضروریات پہنچاتا ہے جو پہنچانے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ خدا تعالیٰ قیامت کے دن ایسے شخص کے قدم کو ثبات عطا فرمائے گا۔ جب باہر سے آپؐ کی زیارت کے لئے لوگ آتے تو آپ ان کی خاطر و مدارات فرماتے انہیں کھانا پیش کرتے۔ پھر وہی لوگ واپس جا کر لوگوں کی ہدایت کا موجب بنتے۔

(۳)

گھر سے باہر کی مشغولیت

اس کے بعد حضورؐ کی گھر سے باہر کی مشغولیت کے بارہ میں فرمایا کہ

حضورؐ بغیر ضرورت زبان نہ کھولتے۔ آپؐ کی گفتگو اور سلوک لوگوں کو محبت دلانے والا ہوتا نہ کہ نفرت دلانے والا۔ آپؐ ہر قوم کے معزز آدمی کا اکرام کرتے اور اسے ہی ان پر نگران مقرر فرماتے۔ آپؐ لوگوں کو فتنوں سے بچنے کی تلقین فرماتے۔ آپؐ کی یہ کوشش ہوتی کہ لوگوں کو آپؐ سے کسی قسم کی اذیت نہ پہونچے۔ وہ آپؐ سے نہ بدکیں۔ آپ لوگوں سے خندہ پیشانی اور اچھے اخلاق سے پیش آتے۔ آپؐ اپنے صحابہؓ سے ان کی خیریت دریافت فرماتے۔ اگر کوئی مریض ہوتا اس کی عیادت فرماتے۔ سفر پر ہوتا تو اس کے لئے دعا فرماتے۔ لوگوں کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے۔ آپؐ اچھے کو اچھا کہتے اور بُرے کو بُرا۔ معتدل مزاج تھے۔ صحابہؓ کو اچھی باتوں کی تلقین فرماتے تاکہ وہ آخرت سے غافل نہ ہو جائیں اور آسائش کی طرف نہ جھک جائیں ہر قسم کے حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تیاری رکھتے۔ اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہوتی۔ آپؐ کے قریب بہترین لوگ ہوتے۔ یہ وہ لوگ ہوتے جو لوگوں کے خیر خواہ تھے۔ حضورؐ کے نزدیک ان کا مرتبہ بلند ہوتا جو لوگوں کا زیادہ خیر خواہ ہوتا۔ اور اپنی ضروریات پر لوگوں کی ضرورت مقدم رکھتا۔

(۴)

مجلسی زندگی

اس کے بعد حضورؐ کی مجالس کے بارہ میں فرمایا۔

حضورؐ جب مجلس میں تشریف فرما ہوتے اور جب واپس تشریف لے جاتے خدا کا ہی ذکر آپؐ کی زبان پر ہوتا۔ جب مجلس میں تشریف لاتے تو جہاں جگہ میسر آتی آپؐ بیٹھ جاتے اور لوگوں کو بھی اسی طرز عمل کی تلقین فرماتے۔ اپنے ہم نشین کا اکرام فرماتے۔ آپؐ کے ساتھ بیٹھنے والا یہ نہ سمجھتا تھا کہ آپؐ کے نزدیک کوئی اس سے زیادہ معزز بھی ہے۔ جو بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا آپؐ اس کی طرف پوری توجہ فرماتے یہاں تک کہ وہ خود واپس ہونا چاہتا۔ جو ضرورت مند آتا اس کی حاجت براری فرماتے۔ یا نرم زبان سے اسے جواب دیتے۔ آپؐ کی سخاوت اور اخلاق کا دامن ایسا وسیع تھا کہ گویا آپؐ شفیق باپ ہیں اور لوگ آپؐ کی اولاد۔ آپؐ کی مجلس علم وحیا اور صبر و امانت کی مجلس ہوتی۔ جس میں کوئی شور و شغب نہ ہوتا۔ کسی پر تہمت نہ ہوتی، کسی کی عزت پر حملہ نہ ہوتا اور کسی کی لغزشوں کا ذکر نہ ہوتا۔ آپؐ کی مجالس میں سب مساوی ہوتے۔ فضیلت کی بناء محض تقویٰ ہوتی۔ سبھی عاجز اور منکسر المزاج تھے۔ وہاں بڑے کی عزت کی جاتی اور چھوٹے پر رحم ہوتا۔ آپؐ کے قرب کے لئے حاجتمندوں کو ترجیح دی جاتی۔ مسافروں کی خبر گیری کی جاتی۔ (شمائل ترمذی باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ تھا حضورؐ کی سیرت کا ایک بیان جسے ایک دیکھنے والی آنکھ۔ ایک حساس دل، ایک باذوق وجدان نے مطالعہ کیا۔ اے گردشِ افلاک۔ کیا یہ لیل ونہار کی گردش پھر کبھی آئے گی کہ دنیا کو پھر یہ خلوتیں اور جلوتیں نصیب ہونگی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اس کردار کو اپنائیں جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ اس اسوۂ حسنہ پر چلیں جو محبوبِ خدا کا تھا۔ یاد رکھیئے آج خدا کو وہی راہ پسند ہے جس پر خدا کے برگزیدہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم قدم زن ہوئے تھے۔ اور خدا اسی راہ پر ہم کو چلانا چاہتا ہے۔ کیا خوب فرمایا سعدی علیہ الرحمۃ نے ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید ÷ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
پندار سعدی کہ راہِ صفا ÷ تواں رفت جز درپئے مصطفٰےؐ

(۵)

تیغِ برّانِ محمدؐ

محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم خدا کی تلوار تھے اور خدا کی یہ تلوار کئی بار چمکی۔ یہ بدر کے میدان میں چمکی اور کفر کے سرغنوں کے سر خاک میں ملے۔ عتبہ، شیبہ، ابوجہل نے جب خدا کے ہاتھ کو جھٹکا اور اس ہاتھ کو کاٹنے کے لئے مدینہ کی طرف بڑھے اور بدر کے میدان میں خیمہ زن ہوئے تو خدا کی تلوار بے نیام ہوئی اور وہ ہاتھ کاٹ کر رکھ دیا گیا جو بُرے ارادہ سے آپؐ پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ خدا کی تلوار کا لوہا ہر لوہے کو کاٹ سکتا ہے۔

خدا کے انبیاء بشیر بھی ہوتے ہیں اور نذیر بھی۔ ان کے ایک ہاتھ میں بشارت کا لبریز جام ہوتا ہے۔ جب دنیا اس آبِ حیات سے اپنے تشنہ لبوں کو سیر نہیں کرتی اور اس کے درپئے آزار ہوتی ہے۔ تب اس کے انذار کا دفتر کھلتا ہے اور خدا کی رحمت کو قبول نہ کرنے والے خدائی تقدیر کا شکار ہوتے ہیں۔ اس فلسفہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے عربی اشعار میں یوں بیان فرماتے ہیں ؎

فَلَمَّا طَغَی الْفِسْقُ الْمُبِیْدُ بِسَیْلِہٖ ❊ تَمَنَّیْتُ لَوْ کَانَ الْوَبَاءُ الْمُتَبِّرُ

فَاِنَّ ھَلَاکَ النَّاسِ عِنْدَ اُولِی النُّھٰی ❊ اَحَبُّ وَاَوْلٰی مِنْ ضَلَالٍ یُخَسِّرُ

کہ جب نافرمانی کا تند سیل زور پر آیا تو میں نے خواہش کی اب کاش تباہ کن وبا آئے۔ کیونکہ عقلمندوں کے نزدیک لوگوں کی ہلاکت تباہ کرنے والی گمراہی سے زیادہ بہتر اور انسب ہے۔

اس بیسویں صدی میں پشاور کے ایک آریہ لیڈر پنڈت لیکھرام نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آقا اور محبوب کے حق میں بدزبانی کی۔ خدا کے اس پہلوان نے جب دیکھا کہ لیکھرام کی زبان ایک چھری کی مانند چلتی ہے تو آپ نے اسے للکارا اور کہا ؎

الا اے دشمنِ نادان و بے راہ ❊ بترس از تیغِ بُرّانِ محمدؐ

اے نادان و بے راہ دشمن اپنی زبان کی چھری کو روک اور دیکھ اسے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی چمکدار تلوار کے مقابل بے نیام نہ کر۔ دیکھ اس تلوار کی چمک اس کے کئی دشمن دیکھ چکے ہیں۔ اگر نہیں سمجھتا تو ابوجہل کی خاک آلود لاش کا بدر کے میدان میں نظارہ کر لے اپنے بھتیجے عتبہ اور شیبہ سے پوچھ لے۔ لیکن اس نے تاریخ سے سبق حاصل نہ کیا۔ تب ابنِ عاشقِ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیس ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء کو خدا سے خبر پا کر اعلان

کیا کہ یہ شخص چھ برس کے اندر خدا کے قہری نشان کا شکار ہوگا۔ یہ نشان خارقِ عادت اور نرالا ہوگا اور اپنے اندر الٰہی ہیبت رکھتا ہوگا اور فرمایا سہ

وبشرنی ربّی وقال مبشراً ٭ ستعرف یوم العیدِ والعیدُ اَقربُ

کہ اس کی موت عید کے قریب ہوگی۔ فرمایا میں نے خواب میں مہیب شکل فرشتہ دیکھا جس کی آنکھوں سے خون ٹپکتا تھا۔ یہ لیکھرام کی ہلاکت کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے بالمقابل لیکھرام نے کہا۔ مرزا صاحب جھوٹے ہیں اور تین سال کے عرصہ میں تباہ برباد ہوجائیں گے۔

اسلام کا پہلوان اور ویدک دھرم کا پنڈت آمنے سامنے ہوئے۔ جری اللہ نے تو خدا سے خبر پاکر کہا تھا۔ لیکن ویدک دھرم کے نمائندے نے تو حقائق کا منہ چڑانے کے لئے کہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو تیغ محمدؐ پھر بے نیام ہوئی۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو "مذمم" کہنے والا خدا کے قہری نشان کا شکار ہوا۔ یہ نشان اتنا پُر شوکت تھا کہ آریہ کیمپ میں کھلبلی مچ گئی۔ انہوں نے مٹھائی میں زہر ملاکر کئی مسلمان بچوں کو کھلائی۔ تا اس کا بدلہ لے سکیں۔ انہوں نے کہا مرزا صاحب نے قاتل کو چھپایا ہوا ہے۔ آپ کے گھر کی تلاشی پولیس کے ذریعہ لی گئی۔ ہندو دھن دھوس نے لاکھ جتن کئے کہ اس تیغ برّاں کو دیکھ سکیں۔ لیکن وہ کوند کر اپنا کام کر گئی تھی آسمانی بجلی کو کون پکڑ سکتا ہے؟ انہوں نے پھر اس اعتراض کو دوھرایا کہ مرزا صاحب نے سازش سے لیکھرام کو مروایا ہے۔ تب آپ نے فرمایا اگر کوئی بہادر کلیجہ والا آریہ یہ قسم کھاکر ایک سال تک بچ جائے کہ میں نے اسے قتل کروایا ہے۔ تو میں جھوٹا اور ایسے شخص کو دس ہزار روپیہ انعام بھی دونگا۔ اور ایسے شخص کی ہلاکت بھی ایسے رنگ میں ہوگی کہ اس میں انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہوگا اور کسی قسم کا اشتباہ نہ ہوگا یعنی ایک بار پھر یہ تیغ برّان اپنی چمک دکھلائے گی۔ ایک استہزاء کرنے والے آریہ نے کہا۔ میں قسم کھاتا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اگر میں بچ گیا تو مرزا صاحب کو ہمارے سپرد کردیا جائے۔ ہم انہیں پھانسی دیں گے۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ منظور ہے بے شک میرے گلے میں رسی ڈالکر گلیوں میں کھینچا جائے۔ لیکن ایک ہماری شرط ہے اور وہ یہ کہ اگر آریہ ایک سال کے اندر تیغ برّانِ محمدؐ کا شکار ہوجائے۔ تو اسکی لاش ہمیں دے دی جائے۔ ہم اسے مسالہ لگا کر محفوظ کریں گے تاکہ آنے والوں کے لئے وہ ایک سامانِ عبرت ہو لیکن کسی ماں نے ایسا بیٹا نہ جنا تھا جو یہ چیلنج قبول کرتا۔

پس ۶ مارچ کا دن مبارک دن ہے کہ اس دن اسلام کی صداقت کا ایک نشان ظاہر ہوا۔ اس دن پھر تیغ برّان محمدؐ بے نیام ہوئی اور اسکی چمک ایک عدو محمدؐ کا کام تمام کرگئی اور اسلام کی صداقت پر اس دن دنیا نے ایک نشان دیکھا۔ یہ پیشگوئی جیسا کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے فرمایا اس امر پر دال ہے

"آریہ لوگ حمیت اور اسلام کے مقابلہ پر شوخ رہیں گے اس لئے وہ جلد مٹادیئے جائینگے اور انکی قومی زندگی کا جلد خاتمہ ہوجائے گا"

ارشاداتِ رسول

ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ

حسد و بُغض دین کا استیصال کرتا ہے

اِنَّ الزبیر بن العوام حَدَّثَہٗ ان النَّبیّ صلی اللہ علیہ وسلم
قَالَ دبّ الیکم داء الامم قبلکم الحسد والبغضاء ھی الحالقۃ
لَا اقول تحلقُ الشعرَ ولکن تحلِقُ الدّین وَالّذِی نفسی بیدِہٖ
لا تدخلو الجنّۃَ حتّٰی تؤمِنُوْا وَلَا تؤمِنُوْا حتّٰی تحابُّوْا اَفَلَا
انبّئکم بِمَا یثبّتُ ذالکَ لکم افشوا السلام بینکم۔

(ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ)

حضرت زبیر بن عوام نے بتلایا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں پہلی امتوں کی بیماری آگئی ہے اور وہ بیماری بُغض اور حسد ہے۔ یہ بیماری مونڈنے والی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بال مونڈتی ہے بلکہ دین کا صفایا کر دیتی ہے۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم جنّت میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک ایمان نہ لاؤ اور تم ایمان نہیں لاسکتے جب تک باہم محبّت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتلاؤں جو محبّت پیدا کرتی ہے۔ وہ ہے آپس میں السلام علیکم کثرت سے کہنا۔

حسد اور بُغض قوموں کی تنزل کی علامت ہے اور باہم تالیف تو اعجاز نبوی ہے، دلوں میں باہم الفت اور محبّت خدا کے مامورین کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ اے رسول کہ اگر تو زمین کی ساری دولت بھی اس غرض سے خرچ کرتا تو یہ الفت نہ پیدا ہوسکتی جو ہم نے پیدا کردی ہے۔ خدا کے مامورین کے ذریعہ ایک نئی برادری بنتی ہے۔ تمام بُغض اور عداوتیں دُور ہوتی ہیں۔ وہ عرب جو معمولی معمولی بات پر برسوں لڑتے رہے۔ خدا کے رسول پر ایمان کے نتیجہ میں بھائی بھائی بن گئے۔ جنگ اُحد میں حذیفہؓ کے والد غلطی سے مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے وہ چلاتے رہے میرا باپ ہے میرا باپ لیکن تلواریں کام کر گئیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ انکے باپ شہید ہوگئے تو اتنا ہی کہا۔ مسلمانو! یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ اللہ تمہیں بخش دے وہ بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (ابن ہشام جلد ۲ جزو ثالث ۶۴)

(کلماتِ طیّبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

کامل انسان — اور — خداشناسی

اور انہوں نے فنافی اللہ ہو کر صدق اور راستبازی کے وہ کام دکھلائے جس کی نظیر قوم میں ملنا مشکل ہے۔ اور جو کچھ انہوں نے عقائد کے طور پر حاصل کیا تھا۔ وہ یہ تعلیم نہ تھی کہ کسی عاجز انسان کو خدا مانا جائے۔ یا خداتعالےٰ کو بچوں کا محتاج ٹھہرایا جائے بلکہ انہوں نے حقیقی خدائے ذوالجلال جو ہمیشہ سے غیر متبدّل اور حیّ وقیّوم اور ابن اور اب ہونے کی حاجات سے منزّہ اور موت اور پیدائش سے پاک ہے۔ بذریعہ اپنے رسول کریمؐ کے شناخت کر لیا تھا اور وہ لوگ سچ مچ موت کے گڑھے سے نکل کر پاک حیات کے بلند مینار پر کھڑے ہو گئے تھے اور ہر ایک نے ایک تازہ زندگی پالی تھی اور اپنے ایمانوں میں ستاروں کی طرح چمک اٹھے تھے بسو درحقیقت ایک ہی کامل انسان دنیا میں آیا جس نے ایسے اتم اور اکمل طور پر یہ روحانی قیامت دکھلائی اور ایک زمانہ دراز کے مُردوں اور ہزاروں برسوں کے عظم رمیم کو زندہ کر دکھلایا۔ اس کے آنے سے قبریں کھل گئیں اور بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑ گئی اور اس نے ثابت کر دکھلایا کہ وہی حاشر اور وہی روحانی قیامت ہے جس کے قدموں پر ایک عالم قبروں میں سے نکل آیا اور بشارت وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا تمام جزیرہ عرب پر اثر انداز ہو گئی اور پھر اس قیامت کا نمونہ صحابہؓ تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اس خداوند قادر قدیر نے جس نے ہر قوم اور ہر زمانہ اور ہر ملک کے لئے اس بشیر و نذیر کو مبعوث کیا تھا ہمیشہ کے لئے جاودانی برکتیں اس کے سچے تابعداروں میں رکھ دیں اور وعدہ کیا کہ وہ نور اور وہ روح القدس جو اس کامل انسان کے صحابہ کو دیا گیا تھا آنے والے متبعین اور صادق الاخلاص لوگوں کو بھی ملے گا۔" (آئینہ کمالات اسلام ص۲۰۶ تا ص۲۰۸ ایڈیشن دوم)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم عربی کلام

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِبَدْرٍ هَاشِمِيٍّ عَرَبِي

میری جان ہاشمی عربی چاند پر قربان ہو۔

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِبَدْرٍ هَاشِمِيٍّ عَرَبِي
میری جان ہاشمی عربی چاند پر قربان ہو۔
وِدَادُهُ قُرْبٌ نَاهِيكَ عَنْ قُرْبِ
جسکی محبّت قرب کا ذریعہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی قرب نہیں

نَجَّا الْوَرٰى مِنْ كُلِّ زُوْرٍ وَّمَعْصِيَةٍ
اس نے مخلوق کو ہر قسم کے جھوٹ اور گناہ
وَمِنْ فُسُوْقٍ وَّمِنْ شِرْكٍ وَّمِنْ تَبَبِ
اور فسق اور شرک اور ہلاکت سے نجات دی ہے

حَمَامَتُنَا تَطِيْرُ بِرِيْشِ شَوْقٍ
وَفِيْ مِنْقَارِهَا تُحَفُ السَّلَامِ
ہمارا کبوتر چونچ میں سلام کے تحفے لئے شوق کے پروں کے ساتھ

اِلٰى وَطَنِ النَّبِيِّ حَبِيْبِ رَبِّيْ
وَسَيِّدِ رُسُلِهٖ خَيْرِ الْاَنَامِ
نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خدا کے حبیب کے وطن کی طرف اڑ رہا ہے جو رسولوں کا سردار اور مخلوق میں سب سے بہتر ہے

وَاِنَّ اِمَامِيْ سَيِّدُ الرُّسُلِ اَحْمَدُ
میرا پیشوا رسولوں کا سردار احمد ہے۔
رَضِيْنَاهُ مَتْبُوْعًا وَّرَبِّيْ يَنْظُرُ
میرا رب شاہد ہے ہم نے اسکو متبوع ہونے کے لحاظ سے پسند کر لیا

وَلَا شَكَّ اَنَّ مُحَمَّدًا شَمْسُ الْهُدٰى
اور بے شک محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہدایت کے آفتاب ہیں
اِلَيْهِ رَغِبْنَا مُؤْمِنِيْنَ فَنَشْكُرُ
اسکی طرف ہم نے مومن ہو کر رخ کیا اور ہم اس امر پر شکر کرتے ہیں

لَهٗ دَرَجَاتٌ فَوْقَ كُلِّ مَدَارِجٍ
آپ کو تمام درجات سے بلند درجات حاصل ہیں۔
لَهٗ لَمَعَاتٌ لَا يَلِيْهَا تَصَوُّرُ
آپکی ایسی روشنیاں ہیں کہ انسانی تصور ان تک نہیں پہنچ سکتا

اَبَعْدَ نَبِيِّ اللّٰهِ شَيْءٌ يَرُوْقُنِيْ
کیا نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی چیز مجھے خوبصورت لگ سکتی ہے
اَبَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَجْهٌ مُّنَوَّرٌ
کیا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور چہرہ منور ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم فارسی کلام

در مدحِ نبیؐ

نہ بودے اگر چوں محمدؐ بشر

(اگر محمدؐ سا بشر پیدا نہ ہوتا)

ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
جس کے پاک نفس پر ہر کمال ختم ہو گیا

لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے
یقیناً اس پر سب پیغمبروں کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

ہست او در روضۂ قدس و جلال
وہ پاکیزگی اور جلال کے گلستان میں متمکن ہے

وز خیالِ مادحاں بالاترے
اور تعریف کرنے والوں کے وہم سے بالاتر ہے

انبیاء روشن گہر ہستند لیک
تمام نبی روشن فطرت رکھنے والے تھے۔

ہست احمدؐ زاں ہمہ روشن ترے
مگر احمدؐ ان سب انبیاء سے زیادہ روشن ہے۔

رسولِ خدا پرتو از نورِ اوست
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسی کے نور کا پرتو ہیں

ہمہ خیرِ ما زیرِ مقدورِ اوست
اور ہماری ساری بھلائیاں اسی کے مقدور کے نیچے ہیں

ہماں سرور و سیّد و نورِ جاں
وہی سردار، سیّد اور جان کا نور

محمدؐ کزو ہست نقشِ جہاں
محمدؐ ہے جس کی وجہ سے جہاں کی تخلیق ہوئی

بشر کے بدے از ملک نیک تر
انسان فرشتے سے کیونکر بڑھ جاتا۔

نہ بودے اگر چوں محمدؐ بشر
اگر محمدؐ سا بشر پیدا نہ ہوتا

دلش ہست نورانی و سرمدی
اس کا دل نورانی اور ازلی ہے

بتابد درو فرّۂ ایزدی
اور اس میں خدا کی عظمت اور شان و شوکت چمکتی ہے

کسے کش بود مصطفیٰ راہ نما
وہ شخص جس کا راہ نما مصطفیٰ ہو

سرِ بخت او باشد اندر سما
اسکی تقدیر بلندی میں آسمان سے ٹکراتی ہے۔

پُر از یادِ او ہست جان و دلم
میرے جان و دل اسکی یاد سے معمور ہیں

بخواب اندر اندیشہ ہم نگسلم
مجھے تو خواب میں کوئی دوسرا خیال نہیں آتا

حقیقۃ الجہاد

(مکرم و محترم مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا)

جہاد سے مراد عام طور پر جہاد بالسیف یعنی تلوار کا جنگ لی جاتی ہے۔ لیکن یہ درست نہیں ہے۔ جہاد بالسیف اس کی قسموں میں سے صرف ایک قسم ہے۔ پھر جہاد بالسیف کب واجب ہوتا ہے اس کے سمجھنے میں بھی بہت غلطیاں کی گئی ہیں جس کی وجہ سے غیروں کو اسلام پر اعتراضات کے موقعے ملے۔ حالانکہ اگر جہاد کی حقیقت کا علم ہو تو اس کا کوئی حصہ ہرگز قابل اعتراض نہیں رہتا۔ اس مقالہ کی غرض اس کی حقیقت کو ظاہر کرنا ہے۔

جہاد کے معنی

عربی کی مشہور لغت اقرب الموارد میں ہے :-

(جَاهَدَ) فِی سَبِیلِ اللهِ مُجَاهَدَةً وَجِهَادًا: بَذَلَ وُسْعَهُ وَمِنْهُ فِی الْقُرْآنِ وَجَاهِدُوْا فِی اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ - وَالْعَدُوَّ قَاتَلَهُ

(الْجِهَادُ) مصدر جَاهَدَ - اَلْقِتَالُ مُحَامَاةً عَنْ دِیْنِ الْحَقِّ

ترجمہ :- اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے معنی ہوتے ہیں۔ اپنی ساری طاقتوں کو اس کے لئے خرچ کیا۔ اور اسی کے مطابق قرآن کریم میں ہے۔ جَاهِدُوْا فِی اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کے معنی ہیں۔ اس کے ساتھ جنگ کیا۔

جہاد مصدر ہے جَاهَدَ کا۔ جہاد کے معنی ہیں دین حق کی حفاظت کے لئے جنگ کرنا۔

سو اقرب الموارد کے رو سے جہاد کے اوّل معنے اللہ تعالےٰ کے لئے اپنی طاقتوں کو خرچ کرنا ہے جس میں اللہ تعالےٰ کے سب احکام کی فرمانبرداری داخل ہے۔ خواہ وہ حقوق اللہ کے متعلق ہوں یا حقوق العباد کے متعلق۔ اس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور باقی سب کچھ آجائے گا۔

ثانیاً جب دشمن کے متعلق اس کا استعمال ہو تو اس کے معنے ہیں دین حق کی حفاظت کے لئے دشمن سے جنگ کرنا یعنی دین حق کی حفاظت کا سوال پیدا ہو تو دشمن سے جنگ کرنا جہاد ہو گا۔

جہاد کے معنوں میں امام راغبؒ لکھتے ہیں:۔

اَلْجِھَادُ وَالْمُجَاھَدَۃُ اِسْتِفْرَاغُ الْوُسْعِ فِی مُدَافَعَۃِ الْعَدُوِّ وَالْجِھَادُ ثَلَاثَۃُ اَضْرُبٍ مُجَاھَدَۃُ الْعَدُوِّ الظَّاھِرِ وَمُجَاھَدَۃُ الشَّیْطَانِ وَ مُجَاھَدَۃُ النَّفْسِ وَتَدْخُلُ ثَلَاثَتُھَا فِی قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ۔ وَجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاھِدُوْا اَھْوَاءَکُمْ کَمَا تُجَاھِدُوْنَ اَعْدَاءَکُمْ وَالْمُجَاھَدَۃُ تَکُوْنُ بِالْیَدِ وَاللِّسَانِ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاھِدُوا الْکُفَّارَ بِاَیْدِیْکُمْ وَاَلْسِنَتِکُمْ

ترجمہ:۔ جہاد اور مُجَاھَدہ کے معنی ہیں دشمن سے مدافعت میں اپنی ساری طاقت خرچ کر دینا۔ جہاد کی تین قسمیں ہیں۔ ظاہری دشمن سے جہاد کرنا۔ شیطان سے جہاد کرنا اور نفس سے جہاد کرنا اور اللہ تعالےٰ کی ان آیات میں یہ تینوں معنے ہی داخل ہیں۔ وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ وَجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ — اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنی خواہشات کے ساتھ اسی طرح جہاد کرو جس طرح تم دشمن کے ساتھ کرتے ہو۔ اور مجاہدہ ہاتھ اور زبان دونوں سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کفار کے ساتھ اپنے ہاتھوں اور اپنی زبانوں دونوں سے جہاد کرو۔

ان لغوی معانی سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں:۔

۱۔ جہاد کے بنیادی معنے ہیں اللہ کے راستے میں اپنی طاقت کے مطابق پوری کوشش کرنا یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پوری ہمت کے ساتھ ادا کرنا اور ہر رنگ میں اللہ کے دین کی خدمت کرنا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔ قرآن کریم میں عام طور پر جہاد انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ سوائے ان آیات کے جن میں قتال کا خاص طور پر ذکر ہے۔

۲۔ جہاد تین قسم کا ہوتا ہے۔ ظاہری دشمن کے ساتھ اور باطنی دشمن شیطان اور نفس کے ساتھ۔ یعنی ان تینوں کے شر سے بچنے کی انتہائی کوشش کرنا۔ شیطان اور نفس کی طرح ظاہری دشمن بھی اسلام یا مسلمانوں کی تباہی کا اقدام کرے تو اس کا مقابلہ کر کے اپنے دین کی اور اپنی حفاظت کرنا۔

۳۔ دشمن کے ساتھ جہاد میں دین کی حفاظت مقصود ہو۔

۴۔ دشمن کے ساتھ جہاد دونوں طور سے ہوتا ہے۔ ہاتھ سے بھی اور زبان سے بھی۔ ہاتھ سے جہاد تلوار کا جہاد ہے اور زبان سے جہاد تبلیغ اسلام کا جہاد ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہاد بالسیف جہاد کا ایک بہت محدود حصہ ہے۔

جہاد بالسیف کے بارے میں بعض آیات قرآنی

اب ہم قرآن کریم کی وہ آیات لیتے ہیں جن میں جہاد بالسیف کے اصول بتائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۔ وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ
لَقَدِيْرُ ۀ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّآ أَنْ يَّقُوْلُوْا
رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ
صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا
وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (حج آیت ۴۰/۴۱)

ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جن سے جنگ کی جا رہی ہے ان کو بھی (جنگ کرنے کی) اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے گھروں سے بغیر کسی جائز وجہ کے نکالا گیا۔ سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ ان کے بعض کو بعض کے ساتھ باز نہ رکھتا تو گرجے اور یہودیوں کی عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے برباد کر دیئے جاتے۔ اور اللہ یقیناً اس کی مدد کرے گا۔ جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ اللہ یقیناً بہت طاقتور اور غالب ہے۔

ان آیات میں پہلی دفعہ جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ ان کا نزول ۲ ہجری میں ہوا۔ اس سے پہلے اگر صحابہؓ میں سے کوئی حضورؐ سے جنگ کے متعلق دریافت کرتا تو حضورؐ جواب میں یہی فرماتے کہ ان تکالیف کو صبر سے برداشت کرو۔ ابھی خدا تعالیٰ کی طرف سے دشمن کا مقابلہ کرنے کی اجازت نہیں۔ ان آیات کے نزول کے بعد آپؐ نے تلوار کا مقابلہ تلوار سے کیا۔

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ اب جبکہ مسلمانوں پر ظلم انتہاء کو پہنچ گیا ہے۔ یہ اجازت دی گئی ہے اور اگرچہ ان کی تعداد کفار کے مقابلہ میں بہت تھوڑی ہے۔ تب بھی اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا۔ اس ظلم کی تشریح بھی کی گئی ہے یعنی مسلمانوں کو ان کے گھروں سے اس وجہ سے نکالا گیا کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب وہ اللہ ہی ہے کوئی بُت یا کوئی اور ہمارا رب نہیں۔ یعنی خالص دینی وجہ سے انکو گھروں سے نکالا گیا اور پھر ان پر بھرپور حملہ کیا گیا تاکہ انکو

اور ان کے دین کو مٹا ڈالا جائے۔ جیسا کہ یُقَاتِلُوْنَ کا مفہوم ہے۔
آگے اللہ تعالےٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ اگر ان حالات میں بھی انسانوں کو مقابلہ کی اجازت نہ دی جائے تو سارا نظام عبادت ہی درہم برہم ہو جائے۔

۲۔ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ o وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقَاتِلُوْکُمْ فِیْہِ فَاِنْ قَاتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ o فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ط فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ o (بقرہ آیات ۱۹۱ تا ۱۹۴)

ترجمہ۔ اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ لیکن کوئی زیادتی نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا اور انکو مارو جہاں تمہیں انہیں پاؤ اور ان کو وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت چیز ہے۔ اور تم ان سے مسجد حرام کے قرب وجوار میں جنگ نہ کرو جب تک وہ خود تمہارے ساتھ وہاں جنگ نہ کریں۔ اور اگر وہ تمہارے ساتھ وہاں بھی جنگ کریں تو تم بھی انہیں قتل کرو۔ یہی جزاء ہے ان کافروں کی۔ لیکن اگر وہ باز آجائیں تو اللہ تعالےٰ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور تم ان کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرو کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔ لیکن اگر وہ باز آجائیں تو یاد رکھو "ظالموں کے سوا کسی پر گرفت جائز نہیں"

ان آیات سے نتائج:۔

۱۔ صرف انہی سے جنگ کرنا فرمایا گیا ہے جو تمہارے ساتھ جنگ کریں۔ یعنی جنگ صرف دفاعی ہو۔
۲۔ ایسی صورت میں بھی دشمن پر کوئی زیادتی نہ کی جائے بلکہ اسی حد تک جواب دیا جائے جو دفاع کے لئے ضروری ہو مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے پھل دار درخت نہ کاٹے جائیں وغیرہ۔ گویا ایسی حالت میں بھی انسانیت کا پورا لحاظ رکھا۔ اللہ تعالےٰ نے زیادتی سے منع کرنے کے لئے اپنی محبت کا بھی ایک رنگ میں واسطہ دیا جو مؤثر ترین طریق ہو سکتا تھا۔

۳۔ ان کو نکالنا بھی صرف انہی جگہوں سے جہاں سے انہوں نے مسلمانوں کو نکالا۔

۴۔ مسجد حرام کے پاس ان سے جنگ نہیں کرنی۔ سوائے اس کے کہ وہ خود اس جگہ کریں۔

۵۔ یہ پھر تاکید کی کہ کفّار ان باتوں سے باز آجائیں تو معاملہ ختم کر دیا جائے۔ اور ان کے لئے اللہ تعالےٰ کی غفوریت اور رحم کا مظہر بنا جائے۔

۶۔ اس جنگ کی غرض دین کے بارے میں جبر کو دُور کرنا ہو تاکہ ہر شخص آزادانہ محض اللہ تعالےٰ کی رضا کی خاطر دین کو اختیار کرے اور اس کے مطابق عمل کر سکے۔ یہ نہ ہو کہ دینی معاملات میں کسی شخص پر کوئی جبر ہو۔ ہر شخص کو اجازت ہو کہ وہ اپنی ضمیر کے مطابق کرے۔

۷۔ اس بات کو پھر دوہرایا کہ اگر کفار اس قسم کی حرکتوں (جنگ اور دین کے بارے میں جبر) سے باز آجائیں تو جنگ ختم کر دی جائے۔ اور صرف ان لوگوں کے خلاف جاری رکھی جائے۔ جو ظلم سے باز نہ آتے ہوں۔

اس جگہ یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ ان آیات میں جو دو جگہ فتنہ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی تشریح انہی آیات میں سے ایک میں یہ کی گئی ہے کہ ان لوگوں نے خدا کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں پر اس قدر مظالم کئے۔ اور انہیں اتنے دُکھ پہنچائے کہ انہیں مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور اسے قتل سے بھی زیادہ جرم قرار دیا ہے۔ دوسری آیت میں فتنہ کی تشریح مداخلت فی الدین کی گئی ہے۔ یعنی دین کے معاملات میں جبر سے کام لینا۔ اسی لئے فرمایا لیکون الدین للہ۔ یعنی دین کے بارے میں کسی جبر کا دخل نہ رہے۔ اور ہر شخص اپنی ضمیر کے مطابق کر سکے۔ اور خدا تعالےٰ کے سوا کسی کے آگے اس کی ذمہ داری نہ ہو۔ ایسی صورتوں میں بغیر دوسرے کے جنگ شروع کرنے کے بھی جنگ کرنی جائز ہوگی۔ لیکن عام معاشی مشکلات کو اس قسم کا فتنہ و فساد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جس کے نتیجہ میں جنگ واجب ہو جاتی ہو۔ ورنہ تو ہر بات کو جنگ کا بہانہ بنایا جا سکتا ہے۔

ان آیات سے کچھ آگے جا کر آیت نمبر ۲۱۸ میں بھی فتنہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور اسی آیت میں اس کی تشریح کے طور پر کہا گیا ہے کہ مسجد حرام کے باشندوں کو وہاں سے نکال دینا اور اس لئے جنگ کرنا کہ تم اپنے دین کو چھوڑ دو اور جنگ کو جاری رکھنا یہ فتنہ و فساد قتل کر دینے سے بھی بڑا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گو فتنہ و فساد کے الفاظ تکلیف دہی یا ایذا رسانی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن ایسا فتنہ و فساد جس سے جنگ واجب ہو جاتا ہو وہ ہے جو گھروں اور شہروں سے نکلنے پر مجبور کر دے ورنہ ان کے قتل کے درپے رہیں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انہیں اسلام چھوڑ دینے پر مجبور کریں۔

افسوس ہے زمانہ حال کے بعض علماء نے اس لفظ فتنہ کو ناواجب وسعت دے کر اس پر جنگوں کی بنیاد رکھ دی ہے جو قرآن کریم کے منشاء کے مطابق نہیں۔

ان احکام جنگ کے علاوہ جو اوپر کی آیات میں دیئے گئے ہیں۔ قرآن کریم کے باقی مقامات میں احکام یہ ہیں:-

۱۔ دشمن اگر نیک نیتی سے صلح کی طرف مائل ہو جائے تو اس سے فوراً صلح کر لینی چاہیئے (انفال آیت ۶۲)

۲۔ لیکن یہ صلح ڈر کر نہ ہو (محمد آیت ۳۶)

۳۔ جنگ میں انصاف کو کبھی ترک نہ کیا جائے۔ (مائدہ آیت ۹)

۴۔ جنگی معاہدات کی پابندی ضروری ہے۔ (توبہ آیت ۴)

۵۔ جنگی تیاری ہمیشہ رکھو تاکہ دشمن اچانک حملہ کر کے تمہیں تباہ نہ کرے (انفال آیت ۶۱)

۶۔ ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرو کہ یہ بہترین دفاع ہے (آل عمران ۲۰۱)

۷۔ جنگ میں پوری جرأت اور دلیری سے دشمن کا مقابلہ کرو۔ (انفال آیت ۴۵)

۸۔ جنگ میں پیٹھ پھیرنے کی اجازت نہیں (انفال آیت ۱۷)

۹۔ جنگ میں قتل ہونے والے کا مقام بلند ہوگا (بقرہ آیت ۱۵۵) اس کے لئے شہادت کا مقام (آل عمران آیت ۱۴۱)

۱۰۔ بغیر خونریز جنگ کے جنگی قیدی بنانے جائز نہیں (انفال آیت ۶۸)

۱۱۔ جنگی قیدیوں کو بطور احسان رہا کر دیا جائے یا فدیہ لے کر جیسا بھی مناسب ہو (محمد آیت ۵)

۱۲۔ جنگی قیدیوں میں سے جو شادی کے قابل ہوں ان کی شادی کر دی جائے (نور آیت ۳۳)

۱۳۔ اگر کوئی بعجز تاوانِ جنگ ادا نہ کر سکے تو باقساط ادا کر کے آزاد ہو سکتا ہے (نور آیت ۳۴)

۱۴۔ جنگوں کو روکنے کے لئے مشترکہ طور پر کوشش کی جائے (حجرات آیت ۱۰)

سورۂ توبہ کی مختلف آیات میں جو کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم ہے۔ وہ بھی اگر ان کے سیاق و سباق کے ساتھ دیکھا جائے تو صرف ان کفار کے ساتھ ہے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کر رہے تھے اور ابتداء انہی کی طرف سے تھی۔ ان کے ساتھ پوری شدت اور طاقت کے ساتھ جنگ کرنے کی تاکید ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ
بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ
عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَ
يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (توبہ آیات ۱۳ تا ۱۵)

ترجمہ:- کیا تم اس قوم سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو اس کے گھر سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور تم سے جنگ چھیڑنے میں انہوں نے ہی ابتداء کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ اللہ کی

بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ ان سے جنگ کرو۔ اللہ انکو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دلوائے گا۔ اور ان کو رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر غلبہ دے گا۔ اور اس طرح مومنوں کے دلوں کو (صدمہ اور خوف سے) نجات دے گا۔ اور ان کے دلوں کے غصہ کو دور کر دے گا اور اللہ جس پر چاہتا ہے فضل فرماتا ہے۔ اللہ بہت جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ کرنے کی اس وجہ سے ضرورت ہے، کہ انہوں نے اپنے عہدوں کو توڑا اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو گھر سے نکال دیا۔ اور پھر جنگ بھی خود ہی شروع کی۔ ان حالات میں جنگ یقیناً ضروری ہوگیا اور دشمن سے ڈرنا نہیں چاہیئے بلکہ خدا تعالیٰ کی نصرت پر بھروسہ چاہیئے اللہ تعالیٰ ان پر غلبہ عطا فرما کر مومنوں کے لئے حالات کو سازگار کر دے گا۔ تب وہ دین پر آزادی کے ساتھ عمل کر سکیں گے۔

سورۂ توبہ کا نزول فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں ہوا ہے۔ اس میں کفار سے جس برأت کا اظہار کیا گیا ہے وہ بیزاری کے معنوں میں نہیں بلکہ کفار کے اس الزام سے بریت کے معنوں میں ہے۔ جو وہ کہتے ہیں کہ محمدؐ (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کا دعوے تو حضرت ابراہیمؑ کی پیشگوئی کے مطابق مکی نبی ہونے کا ہے۔ مگر یہ تو مدینہ چلا گیا ہے۔ پھر یہ پیشگوئی کس طرح پوری ہوئی۔ یہاں یہ بتایا کہ مکہ فتح ہوکر آپ مکہ میں واپس آ گئے۔ اس لئے یہ پیشگوئی یقیناً پوری ہوگئی۔ اور آپ کی اس الزام سے بریت ثابت ہوگئی۔

مشرکین نے پے در پے مدینہ پر یورش کی جن کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو مٹا دینا تھا اور جنگ سے باز آجانے کا نام نہ لیا بلکہ زیادتیوں پر زیادتیاں کرتے ہی چلے گئے۔ تاکہ اپنے مقصد کی تکمیل کریں۔ اس لئے اس صورت میں مسلمانوں کو اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جبتک کفار کامل طور پر مغلوب نہ ہوجائیں تاکہ ان کا فتنہ دور ہوجائے۔ لیکن ایسے حالات میں بھی بار بار یہ تاکید کی گئی ہے۔ کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے ان سے معاہدہ کو پورا کرو۔ اور جنگ نہ کرو۔ اگر مشرکین میں سے کوئی تمہاری حفاظت میں آنا چاہے۔ تو اسے پناہ دو۔ اگر یہ لوگ باز آجائیں اور نمازوں کو قائم کرکے اور زکوٰۃ دے کر تمہارے ساتھ ہونا ثابت کر دیں۔ تو وہ تمہارے بھائی بن گئے۔ اگر کفار مغلوب ہوکر کفر کی حالت میں ہی رہنا چاہیں تو وہ ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ تمہاری ماتحتی قبول کر لیں اور جزیہ دیں جس سے ثابت ہوگا کہ وہ اب جنگ کرنا نہیں چاہتے۔

آیت ۷۳ میں جو فرمایا

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

یعنی اے نبیؐ تو کفار اور منافقین کے ساتھ جنگ کر اور ان پر سختی کر یہ حکم انہی حالات کے ماتحت ہے جو اوپر بیان

کئے گئے ہیں ۔ ورنہ محض کفر اور نفاق کے باعث کسی جگہ قرآن کریم میں سختی کرنے کا حکم نہیں ۔ اشِدّاءُ عَلَی الْکُفّارِ سے مراد کفار کے مقابل اپنے اندر ایسی مضبوطی پیدا کرنا ہے کہ ان کے اثر کو قبول نہ کرے بلکہ ان پر اپنا اثر ڈالے ۔ اس سے اور کوئی سختی مراد نہیں ۔

خلاصہ کلام یہ کہ کفار مکہ کے ساتھ دو وجہ سے جنگ ضروری ہوگئی ۔ ان کے فتنہ و فساد کی وجہ سے یعنی دینی آزادی کو سلب کرنے اور مظالم کی وجہ سے اور اس لئے کہ انہوں نے خود مسلمانوں کے خلاف جنگ شروع کی ۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی وجہ موجود ہو تو جہاد بالسیف لازم آجاتا ہے ۔ یہاں تو جنگ اسلام اور مسلمانوں کے مٹا دینے کے لئے کی گئی لیکن اگر محض ملک چھیننے کے لئے ہو تو بھی اپنے ملک کی حفاظت ضروری ہے اور اس میں مارا جانے والا شہید ہے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ وَعِرْضِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ یعنی جو اپنے مال یا اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے ۔ ملک تو انسان کی بہت بڑی دولت ہے جس کی حفاظت کرنا اس کا فرض ہے ۔

قتال اور جہاد میں فرق

قرآن کریم میں جہاں جنگ کا ذکر ہوا ہے وہاں قتال کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن جہاں اللہ تعالےٰ کے راستے میں مختلف طریقوں سے کوشش اور محنت کرنے اور دین کی خدمت کرنے کا ذکر ہے وہاں جہاد کا لفظ استعمال ہوا ہے جس میں جنگ بھی آتا ہے لیکن اس کے علاوہ بھی کئی قسم کی کوشش اور محنت داخل ہے ۔ چنانچہ امام راغبؒ کہتے ہیں کہ جہاد تین طرح کا ہوتا ہے ۔ نفس کے ساتھ مقابلہ شیطان کے ساتھ مقابلہ اور دشمن کے ساتھ مقابلہ ۔ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (حج آخری رکوع) میں تینوں قسم کا جہاد شامل ہے بلکہ دشمن کے ساتھ مقابلہ کی تو شرائط بیان کردی گئی ہیں ۔ دوسرے دونوں مقابلے ساری عمر اور ہر آن اور انتہائی جدوجہد کے ساتھ کرنے پڑتے ہیں ۔ نماز ، روزہ ۔ حج ۔ زکوٰۃ ۔ انفاق فی سبیل اللہ ۔ دعا ۔ صحبت صالحین اور دیگر اعمال صالحہ تمام تر نہیں تو بیشتر انہی دو مقابلوں کے لئے ہیں ۔

امام راغبؒ نے اگرچہ اس طور سے جہاد کی تین قسمیں بیان کی ہیں ۔ لیکن دراصل نفس اور شیطان کے ساتھ جنگ ایک ہی چیز ہے ۔ کیونکہ شیطان نفس کے ذریعہ ہی انسان پر حملے کرتا ہے ۔ تیسری قسم کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے ۔ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (فرقان آیت ۵۳) یعنی قرآن کریم کے ذریعہ کفار کے ساتھ جہاد کرو ۔ یہ جہاد تبلیغ کا جہاد ہے ۔ جو قرآن کریم کی تعلیم کو احسن رنگ میں پہنچانے سے کیا جاتا ہے ۔ اور جس کا نام قرآن کریم نے جہاد کبیر رکھا ہے ۔ یعنی بڑا جہاد ۔ امام راغبؒ نے اس جہاد کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس طرح بیان کر دیا کہ جَاهِدُوا الْكُفَّارَ بِاَيْدِيْكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ یعنی کفار سے ساتھ اپنے ہاتھوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو ۔

ہاتھوں سے جہاد تو جنگ ہے اور زبانوں سے جہاد تبلیغ ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سورۂ فرقان مکی سورۃ ہے۔ جبکہ ابھی جہاد بالسیف کی اجازت نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے یہاں جہاد کبیر سے مراد فقط تبلیغی جہاد ہے۔ ویسے بھی بسہ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف جاتی ہے۔ یہ سورۃ شروع ہی فرقان کے ذکر سے ہوتی ہے۔ اور آیات ۳۱ ، ۳۳ میں بھی قرآن کریم کا ذکر ہے۔ تلوار کے جہاد کا یہاں کسی جگہ ذکر نہیں جس کی طرف بسہ کی ضمیر جا سکتی ہو۔

امام فخر الدین رازی نے بھی تفسیر کبیر میں اس سے مراد کافروں کو وعظ و نصیحت کرنا اور دعوت و تبلیغ ہی لی ہے مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اپنی کتاب "مسئلہ خلافت اور جزیرۂ عرب" میں یہی معنے کئے ہیں (دیکھیں اس کا ص۱۰۹)

مولانا ظفر علی خان نے بھی یہی معنے کئے ہیں۔ (زمیندار ۲۵ ؍ جون ۱۹۳۱ء)

اس کے متعلق مولانا صدیق الزمان صدیقی لکھتے ہیں:۔

"اسی طرح احادیث میں جابر حکمران کے آگے کلمۂ حق بلند کرنے کو اعظم جہاد کہا گیا ہے۔ انّ من اعظم الجھاد کلمۃُ حقٍّ عند سلطانٍ جائرٍ (رواہ ابوداؤد و ترمذی) ....پس اشاعتِ علوم دینیہ و قیامِ مدارس دینیہ اور ہر وہ کام جو اقامتِ دین کی غرض سے کیا جائے جہاد کی حقیقت میں شامل ہے۔" (اسلام کا نظریہ جہاد ص۱۲۸ ، ۱۳۰)

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جہاد بالسیف کا نام جہاد اصغر اور جہاد بالنفس کا نام جہاد اکبر فرمایا ہے۔ جنگ تبوک سے واپسی پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر (بیہقی) یعنی ہم تلوار کے جنگ سے فارغ ہو کر جو سب سے چھوٹا جہاد ہے نفس کے جہاد کی طرف واپس آرہے ہیں۔ جو سب سے بڑا جہاد ہے۔ جہادِ اکبر سے مراد اصلاحِ نفس ہی ہے جو سب سے مشکل کام ہے۔

قرآن کریم میں سب سے زیادہ جہادِ اکبر یعنی اصلاحِ نفس کا ہی ذکر ہے۔ جس کے لئے نیکیوں اور بدیوں کی ساری تفصیل دی گئی ہے۔ اور بار بار تقوے کی تاکید کی گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی صفات کا ذکر اور ان کا عملی اظہار بھی اسی غرض کے لئے نظر آتا ہے۔ اس سے اتر کر جہادِ کبیر یعنی تبلیغ کا ذکر ہے۔ جس کے ذریعہ کفار کو اسلام کی طرف لایا جاتا ہے۔ اس کے لئے اسلام کی صداقت کے نہایت مضبوط دلائل قرآن کریم نے بیان کئے ہیں اور تبلیغ کے سب راستوں سے آگاہ کیا ہے۔ اور اس جہاد کی ہر حال میں تاکید فرمائی ہے۔ تیسرے درجہ پر جہاد اصغر یعنی کفار کے ساتھ جنگ کا ذکر ہے۔ جو بہت سی شرائط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ پہلے دو جہادوں کے ذکر کے ساتھ تو قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ اور تیسرے جہاد کا صرف کہیں کہیں ذکر ہے۔ گویا یہ جہاد اسلام کا اصل مقصود نہیں جس طرح بعض لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ اصل مقصود انسان کے نفس کی اصلاح ہے جو اسے فلاحِ دارین کے قابل بناتی ہے۔ اور اس سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرواتی ہے۔ اس سے

انسان خدا کی طرف کھینچنے والا اور معاشرے کو پاک کرنے والا بنتا ہے۔ اس سے انسان کی پیدائش کی غرض پوری ہوتی ہے اور دنیا رہنے کے قابل بنتی ہے۔ اس کے حصول کے لئے ہر قسم کا جہاد کرنا پڑتا ہے۔ جہاد کبیر یعنی تبلیغ کا بھی قرآن میں بہت ذکر ہے۔ جہاد بالسیف یعنی جنگ تو بامر مجبوری اور بہت حد بندیوں کے ساتھ کرنے کا حکم ہے۔ اگرچہ اس جہاد کے کرنے والے کا بھی درجہ بڑا ہے۔

قربِ الٰہی کے چار درجے

قربِ الٰہی رکھنے والوں کے چار درجے قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں۔ نبی۔ صدیق۔ شہید اور صالح (النساء آیت ۷۰) ان میں سب سے بڑا نبی ہے۔ اس سے چھوٹا صدیق۔ اس سے چھوٹا شہید اور سب سے چھوٹا صالح۔ یعنی جنگ میں شہید ہونے والے کا درجہ صالح سے تو بڑا ہے۔ لیکن صدیق اور نبی سے چھوٹا اور پھر شہید صرف اسے ہی نہیں کہتے جو کفار کے ساتھ جنگ میں مارا جائے بلکہ اسے بھی کہتے ہیں جو اپنے افعال و اقوال سے اللہ تعالیٰ کے وجود کی شہادت دے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ کا مقصد ہے۔

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (حج آخری آیت)

تاکہ رسولؐ تم پر گواہ ہو اور تم باقی دنیا کے لئے گواہ بنو۔

اسی طرح فرمایا:۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (بقرہ آیت ۱۴۴)

یعنی اے مسلمانو جس طرح ہم نے تمہیں سیدھی راہ دکھائی ہے۔ اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اعلیٰ درجہ کی امت بنایا ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں کے نگران بنو۔ اور یہ رسول تم پر نگران ہو۔

جنگ میں مارا جانے والا بھی اسی لئے شہید کہلاتا ہے کہ وہ اپنی قربانی سے دین کی سچائی کی شہادت پیش کرتا ہے۔ صدیقیت کا درجہ شہادت سے بڑا ہے۔ جب صداقت کسی کے قول اور فعل میں اس رنگ میں داخل ہو جاتی ہے کہ وہ احکام الٰہی کے ساتھ کامل مطابقت اختیار کر لیتا ہے۔ اور اپنے ہر قول اور فعل سے گویا خدا کی گواہی دیتا ہے۔ اور خدا کی نافرمانی کا کوئی شائبہ اس کے اندر باقی نہیں رہتا۔ اور صدق کے انوار اس میں سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتے ہیں۔ تو وہ صدیق کہلاتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انہی معنوں میں صدیق کہلائے۔ شہادت کا درجہ تو ایک قدم سے ہی مل جاتا ہے۔ اگرچہ وہ قدم اس لحاظ سے بڑا ہے کہ اس سے انسان اپنی جان پیش کر دیتا ہے۔ لیکن اس سے پہلا اس کا قدم ایسا کہ اس مقام پر ہوتا

ضروری نہیں جو صالحیت یا صدیقیت کے لئے ضروری ہے۔ صدیق صرف ایک مرحلہ پر ہی نہیں بلکہ زندگی کے ایک ایک لمحہ میں خدا تعالےٰ کی فرمانبرداری کی شہادت پیش کرتا ہے۔ اور اپنے نفس کو اس کی تیز تلوار کے نیچے رکھ دیتا ہے تاکہ وہ اس کے لئے بار بار ذبح ہو اور اس میں سے صدق کی خوشبو آئے۔ پس یہ شہادت اس کی ساری زندگی پر پھیلی ہوتی ہے۔ اور اس کے لئے کسی بھی مرحلہ پر خدا تعالےٰ کی خاطر جان کو پیش کر دینا دوبھر نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے مزید لذت کا موجب بنتا ہے۔ پس صدیق کا درجہ یقیناً شہید سے بہت بڑا ہے۔ وہ ہر وقت خدا تعالےٰ کے لئے دل و جان سے قربان ہوتا رہتا ہے اور پھر ڈرتا ہے کہ خدا جانے وہ اپنے محبوب کے لئے پوری قربانی پیش کر سکا ہے یا نہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

اسے دے چکے مال و جاں بار بار ؛ ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار

نبوت کا درجہ ان سب سے بڑھ کر اور بہت بڑھ کر ہے۔ نبی اپنے اندر سب کمالات کو جمع کرتا ہے۔ صالحیت بھی، شہیدیت بھی اور صدیقیت بھی، اور خدا تعالےٰ کے اتنا قریب ہو جاتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ اس سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے اور اس کے اندرونے اور اس کے ظاہر اور اس کے خیالات اور اس کے جذبات اور اس کے اقوال اور اس کے افعال کو کلیۃً اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ تب دنیا کا کوئی حصہ اس میں نہیں رہتا اور وہ خالص طور پر خدا کا ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے اگرچہ وہ ساری دنیا کے مقابلے میں آ جاتا ہے۔ تب بھی اللہ تعالےٰ اسے کامیاب کرتا ہے اور دنیا کو ناکام۔ وہ خدا کی ہستی اور اس کی قدرتوں کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔

اگر نبی نہ آتے تو دنیا اندھیرے میں رہ جاتی اور اسے نہاں در نہاں خدا کا کچھ پتہ نہ چلتا۔ اس کو ظاہر کرنے والی یہی قوم ہوتی ہے پس باقی مخلوق کو اس کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہوتی نہ صالح کو، نہ شہید کو اور نہ ہی صدیق کو۔ یہ سب مقام اس میں پورے طور پر جمع ہو جاتے ہیں اور اپنی چمک دکھلاتے ہیں۔ چونکہ نبی دنیا سے بہت اونچا ہوتا ہے۔ اس لئے دنیا اس کو دیکھ اور پہچان نہیں سکتی۔ اور اس سے انکار کر دیتی ہے۔ بلکہ اپنی بدقسمتی سے اسے گالیوں اور ایذا دہی کا نشانہ بناتی ہے اور اسے نیست و نابود کر دینا چاہتی ہے۔ لیکن اس کا بھیجنے والا اس کے لئے کافی ہوتا ہے اور اسکی خاطر ساری دنیا کو نیچے کر دیتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ کفار کے ساتھ جنگ وہ اہمیت نہیں رکھتی جو آج کل کے بعض لوگ جو روحانی مدارج سے ناآشنا ہیں اسے دیتے ہیں۔ ایک مومن جو مخلوق الٰہی کی ہمدردی سے پُر ہوتا ہے خون بہانے پر سوائے انتہائی مجبوری کے کب راضی ہوتا ہے۔ دین اور مسلمانوں کو جبراً مٹا ڈالنے کی کوشش ہی اس کے لئے یہ مجبوری پیدا کرتی ہے ورنہ وہ تو اس سے کراہت ہی کرتا ہے۔ جیسا کہ کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ (بقرہ ۲۱۷) سے ظاہر ہے ؛ (باقی)

انصار اللہ

(مکرم میر اللہ بخش صاحب تسنیم)

انصار ہیں ہم مہدیٔ موعود کے انصار
دجّال کے لشکر سے ہیں ہم برسرِ پیکار

ہو تقوے کے سانچے میں ڈھلی زندگی اپنی
گفتار ہو بے لوث تو بے عیب ہو کردار

اللہ نے چپّو ہمیں ایمان کا بخشا
اسلام کی کشتی کو لگائیں گے ہمیں پار

ہے وقت بہت تنگ مگر کام بہت ہے
کچھ اَور کرو تیز میاں رہروو رفتار

تم بن کے براہیم جو اپنے کو دکھا دو
بن سکتی ہے نمرود کی آگ آج بھی گلزار

جو ماہ شب چاردہم نے ہمیں بخشے
پھیلاتے چلے جاؤ وہ آفاق میں انوار

مہمان کوئی دم کی ہے اب شام کی ظلمت
ہوتی ہے اُجالوں سے بھری صبح نمودار

کانٹوں سے ہے معمور رہ منزلِ عرفاں
اللہ کے بندوں کا ٹھکانہ ہے سرِ دار

ہر ملک میں اسلام کا لہرائے گا پرچم
رکنے کی نہیں کفر پہ اسلام کی یلغار

ربوہ سے اب اُٹھ اُٹھ کے برستا ہے جہاں میں
کعبے سے اٹھا تھا جو کبھی ابرِ گہربار

ہم پھول ہدایت کے عطا کرتے ہیں جن کو
دیتے ہیں ہمیں خار وہ انبار در انبار

اسلام کے جانبازوں کی ہیبت سے جہاں میں
تثلیث کے ہر قلعے میں ہے لرزہ نمودار

توحید کے بپھرے ہوئے طوفان کے ڈر سے
گرجاؤں میں خاموش ہوئی گھنٹوں کی جھنکار

رستہ ہے کٹھن منزلِ مقصود کا تسنیم
کیا فکر ہے ناصر ہے اگر قافلہ سالار

قرآن اور زبور

رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ کی شان

حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک بشارت

(مکرم و محترم شیخ عبد القادر صاحب لاہور)

سورۃ الانبیاء کے آخر میں ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ۝ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝

اور ہم نے زبور میں ذکر[1] (یعنی آنے والے رسول کی پیشگوئی) کے بعد لکھ چھوڑا ہے کہ ارض (مقدس) کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ اس (بشارت) میں ایک پیغام ہے اس قوم کے لئے جو عبادت گزار ہیں اور ہم نے تجھے دنیا کے لئے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

زبور باب ۳۷ میں یہ پیشگوئی موجود ہے۔ لیکن ترجمہ کے اختلاف کے باعث بعض حقائق نظروں سے اوجھل تھے تن پر نئی تحقیق نے قرآنی اشارات کو واضح کر دیا ہے۔ کتاب زبور کا آغاز آنے والے عظیم الشان پیغمبر کی پیشگوئی سے ہوتا ہے۔ آگے چل کر زبور ۳۲ میں ارض مقدسہ میں آسمانی بادشاہت کے قیام کا بیان ہے۔ زبور ۳۶ میں ایک روحانی انقلاب کا ذکر ہے جو دنیا میں برپا ہوگا۔ اس کے بعد زبور ۳۷ شروع ہوتا ہے۔ اس میں ایک مظہر خدا کا ذکر ہے۔ فرمایا اس کا صبر سے انتظار کرو وہ آنے والا ہے۔ اسی زبور میں متقدسین کا بیان ہے کہ وہ ارض مقدسہ کے وارث ہو جائیں گے

---

[1] مفردات امام راغب میں ہے۔ بعض علماء کے نزدیک آنحضرت کو الذکر اس لحاظ سے کہا کہ کتب سابقہ میں آپ کے متعلق پیش خبری پائی جاتی تھی۔

آخر میں ہے کہ انجام اور مستقبل کا مالک وہ انسان ہے جو کہ مجسم سلامتی اور سراپا رحمت ہے۔ انجام کار نیک بندے ارضِ مقدسہ پر قابض ہوں گے اور شریروں کا غاصبانہ قبضہ ختم ہو جائے گا۔ زبور ۳۷ کی پیشگوئی کے چند فقرات درج ذیل ہیں :-

"خاموشی سے خداوند کا انتظار کرو۔ صبر سے کام لو۔ یہاں تک کہ وہ آجائے ... کیونکہ بدکردار کاٹ ڈالے جائیں گے۔ پر جن کا توکل خداوند پر ہے۔ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ تھوڑی دیر میں شریر نابود ہو جائے گا تو اس کی جگہ کو غور سے دیکھے گا مگر وہ نہیں ہوگا۔ لیکن حلیم زمین کے وارث ہوں گے۔ اور سلامتی کی فراوانی سے لذت حاصل کریں گے۔" (زبور $\frac{37}{7,11}$)

پیشگوئی کے آخری حصہ میں ہے۔

"صادق زمین کے وارث ہوں گے اور ابد تک اس میں بسیں گے۔" (زبور $\frac{37}{29}$)

"خداوند کا انتظار کرو ..... وہ تجھے ترقی دے کر زمین کا مالک بنائے گا اور تو دیکھیگا کہ شریر کاٹ ڈالے جائیں گے۔" (زبور $\frac{37}{34}$)

یہ ترجمہ نیو انگلش بائبل کے مطابق ہے۔ شروع میں مظہر خدا کا ذکر ہے اس کی بعثت کے لئے ایک عرصہ درکار ہے۔ اس لئے صبر و سکون سے انتظار کی تلقین ہے۔ اس کی آمد کے بعد شریر نابود ہو جائے گا۔ اس کے مقامات پر حق پرست لوگ قابض ہوں گے۔ پیشگوئی کا مرکزی حصہ یہ ہے کہ بالآخر صلحاء ارضِ مقدسہ کے وارث ہوں گے۔

(۴)

قرآن حکیم میں بشارتِ زبور کے ذیل میں "رحمۃ للعالمین" کا تذکار مقدس ہے۔ زبور ۳۷ کی زیرِ نظر پیشگوئی کے آخر میں ہے۔

"مردِ کامل پر نگاہ کر اور راستباز کو دیکھ کیونکہ مستقبل "سلامتی کے انسان" کے لئے ہے۔" (زبور $\frac{37}{37}$)

عبرانی میں آخریتْ لِ اِیش شالوم کے الفاظ ہیں یعنی انجام اور مستقبل کا مالک وہ انسان ہے جو کہ مجسم سلامتی ہے۔ اس میں وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ سے تعلق رکھنے والا مضمون اور رحمتِ عالم کا عکسِ جمیل پیش کیا گیا۔

پیکس بائبل کومنٹری میں زبور $\frac{37}{37}$ کے نیچے حسب ذیل نوٹ ہے۔

Translate "There is a future for the peaceable man" . . . In the Messianic age, when Yahweh will establish the pious & expel

sinners from the land of Israel. (1953 P. 378).

اس آیت کا ترجمہ یاں الفاظ ہونا چاہیئے "سلامتی کے انسان کا ایک مستقبل ہے" اس میں اشارہ ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں جب مقدسین کی جماعت کا قیام ہوگا تو گنہگاروں کو ارض فلسطین سے نکال باہر کیا جائے گا" گویا انجام کار فلسطین پر صالحین کا قبضہ ہوگا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ بلٰغاً لقومٍ عابدین اور رحمۃ للعالمین پر مندرجہ ذیل دو نوٹ دیئے ہیں:۔

۱۔ "یعنی مسلمانوں کو اس سے سبق لینا چاہیئے۔ اگر فلسطین چاہتے ہیں تو نیک بنیں۔

۲۔ بے شک آخری ایام میں ایک دفعہ یہودی فلسطین پر قابض ہو جائیں گے۔ مگر مسلمانوں کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ان کا نبی رحمت ہو کر آیا ہے۔ اس کا تعلق ان کو گھاٹے میں نہیں ڈالے گا۔" (تفسیر صغیر)

(۳)

قرآن حکیم کی روشنی میں زبور داؤد میں مندرجہ پیشگوئی کے بعض الفاظ غور طلب ہیں "حلیم زمین کے وارث ہوں گے" حلیم کے لئے عبرانی لفظ عَنَوِ یم ہے۔ اس کے معنی "حلیم" اور "دل کے غریب" کے ہیں۔ اس کے دوسرے معنی زاہد و عابد کے ہیں۔ عبرانی میں عنو یم کے معنی "حلیم" کے ہیں۔ لیکن آرامی میں عابد اور زاہد۔ اس لفظ کا مادہ عربی میں "عنا" ہے۔ جس کے معنے (چیز کو) مشکل میں ڈالنے کے ہیں۔ اسی سے معنی تابعدار ہونا مطیع ہونا ہیں۔ زاہد مرتاض چونکہ اپنے نفس کو مشکل میں ڈالتا ہے۔ اس لئے آرامی میں اس کے معنی عبادت گزار اور زاہد کے ہیں۔ ٹی۔ ایچ گاسٹر لکھتا ہے:۔

عبرانی لفظ عنو یم فلسطینی عیسائیوں کی ابتدائی زبان یعنی آرامی میں زاہد و عابد کے خصوصی معنوں میں آیا ہے۔

The Scriptures of the Dead Sea Sect 1957
P. 253 Note 5

قرآن شریف میں اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ کے الفاظ میں ان معنوں کی طرف اشارہ ہے۔ عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ کی جگہ عبرانی متن میں صدیقیم ہے۔ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا کی جگہ عبرانی میں یرشو ارض کے الفاظ ہیں۔ ظاہر ہے قرآن کریم نے اسی پیشگوئی کا حوالہ دیا ہے۔

(۴)

اب میں نے یہ بتانا ہے کہ زبور ۳۷ باب کی پیشگوئی کو انبیاء بنی اسرائیل نے آنے والے عظیم الشان پیغمبر کی بعثت اور اس کے دورِ سعادت سے وابستہ کیا ہے۔ اسرائیلی سلسلہ کے آخری پیغمبر حضرت مسیح ناصری علیہ السلام ہیں۔ وہ آسمانی بادشاہت کے لئے چشم براہ ہیں۔ اور ارض مقدسہ میں رحمۃ للعالمین کے خدام کو دیکھتے ہیں۔ آپ نے زبور داؤد کی پیشگوئی کو بایں الفاظ دہرایا ہے۔

مبارک ہیں وہ جو روح کے غریب ہیں۔ کیونکہ آسمانی بادشاہت انہی کی ہے۔

مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ (متی ۵/۳،۴)

نیو انگلش بائیبل میں مذکورہ آیات کا ترجمہ اس طرح ہے۔

"وہ لوگ کیا ہی بابرکت ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ (کی مدد کے وہ ہر آن) محتاج ہیں۔ مبارک وہ جو کہ روح عالیہ رکھتے ہیں کیونکہ (ایک زمانہ آئے گا کہ) زمین ان کے قبضہ میں ہوگی"۔

نیو ورلڈ ٹرانسلیشن میں ترجمہ بایں الفاظ ہے:-

"خوش قسمت وہ لوگ جو کہ اپنی روحانی ضرورت سے آگاہ ہیں۔ یہاں تک کہ وہ آسمانوں کی بادشاہت کو پالیں گے۔ مبارک ہیں وہ جو کہ "دھیما" ہیں۔ ایک زمانہ آئے گا کہ وہ زمین کے وارث ہوں گے"۔

(۵)

بحر میت کے غاروں سے قرنِ اوّل کے اہلِ کتاب کا بیش بہا لٹریچر برآمد ہوا۔ چونکہ یہ غاریں وادیٔ قمران میں ہیں۔ اس لئے صحائفِ قمران کے نام سے یہ نوشتے موسوم ہیں۔ اہلِ قمران آنے والے عظیم الشان پیغمبر کے لئے چشم براہ تھے۔ وہ زبور ۳۷ باب کی پیشگوئی کو آنے والے پیغمبر کے دورِ سعادت کے لئے سمجھتے تھے۔ تفسیر زبور ۳۷ کا ایک ٹکڑا کہف چہارم سے ملا ہے۔ اس میں ایک صادق استاد اور ہادیٔ برحق کا ذکر ہے۔ جسے یہود موت کے منہ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ اس سے مراد سوائے حضرت مسیح علیہ السلام کے اور کون ہو سکتا ہے۔ اس قطعۂ زبور میں پیشگوئی کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہر قسم کے عیب سے پاک اخلاق عالیہ رکھتے ہیں۔ اس زبور میں

اس قدائی سلسلہ کا ذکر ہے جو کہ ایک منتخب جماعت ہے۔ انجام کار یہ لوگ صحرا سے واپس لوٹیں گے اور ہزار پشت تک امن و امان کی زندگی بسر کریں گے۔ زمین کے وہ وارث ہونگے اور ان کی ذریت کبھی ختم نہیں ہوگی۔"

The Scriptures of the Dead Sea by T. H Gaster. p. 244

اس قطعہ کے ترجمہ سے ظاہر ہے کہ قرنِ اول کے اہلِ کتاب زبور ۳۷ کی پیشگوئی کے پورا ہونے کے منتظر تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ نبی موعود (جسے وہ مسیح کے لقب سے یاد کرتے) کے زمانہ سے یہ بشارات تعلق رکھتی ہیں اشارہ ہے کہ یہ لوگ صحرا سے نکل کر ارض مقدسہ پر قابض ہوجائیں گے۔ پیکس بائیبل کومنٹری کے جدید ایڈیشن میں لکھا ہے۔

"حضرت مسیح کے پہاڑی وعظ کا یہ فقرہ کہ "حلیم زمین کے وارث ہوں گے"۔ زبورِ داود ۳۷/۱۱ کی صدائے بازگشت ہے۔ اہل قمران یہ سمجھتے تھے کہ ان کی جماعت کے صلحاء اس پیشگوئی کے لئے پیش خیمہ ہیں۔ یہ مسیحانہ بشارت نبی موعود کے ذریعہ پوری ہوگی۔" (678 - ص)

(۷)

زبور ۳۷ باب کی پیشگوئی میں پانچ دفعہ یہ الفاظ آئے ہیں کہ ارض مقدسہ کی وراثت صلحا کو ملے گی۔

۱۔ جن کا توکل خداوند پر ہے وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ (۳۷/۹)

۲۔ لیکن حلیم زمین کے وارث ہوں گے۔ (۳۷/۱۱)

۳۔ کیونکہ جن کو اس نے برکت دی وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ (۳۷/۲۲)

۴۔ صادق زمین کے وارث ہوں گے اور ابد تک اس میں بسیں گے۔ (۳۷/۲۹)

۵۔ وہ تجھے ترقی دے کر زمین کا وارث بنائے گا۔ (۳۷/۳۴)

اس میں اشارہ ہے کہ ارض مقدسہ پر قبضہ کی بشارت کئی دفعہ دہرائی جائے گی۔ اس بارے میں تین ہزار سالہ تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالیئے۔

۱۔ سب سے اوّل یروشلم پر حضرت داؤد علیہ السلام قابض ہوئے۔ اس طرح ساری ارض مقدسہ پر بنی اسرائیل کا قبضہ مکمل ہوگیا یشوع بن نون سے لے کر حضرت داؤد علیہ السلام تک دو سو سال میں یہ مہم پایۂ تکمیل پہنچی۔

۲۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے تین سو سال بعد شمالی حصہ سلطنت پر آشوری قابض ہوگئے۔ اس کے بعد بابلی آئے۔ اور بنی اسرائیل کے سارے اسباط جلاوطن ہوگئے۔ ستر سال بعد صلحاء بنی اسرائیل کا ایک گروہ جلاوطنی سے واپس لوٹا۔

ہیکل کی تعمیر ہوئی، اس طرح دوبارہ ارض مقدسہ کی آبادی کی صورت پیدا ہوئی۔

۳۔ پہلی صدی کے آخری ربع میں رومنوں نے بنی اسرائیل کو ارض مقدسہ سے نکال دیا۔ بالآخر مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح صلحاء کی حکومت سہ بارہ قائم ہو گئی۔

۴۔ ایک ہزار عیسوی میں صلیبی ٹڈی دل ارض مقدسہ پر چھا گیا۔ ۹۰ سال بعد صلاح الدین ایوبی نے چوتھی بار صلحاء کی حکومت کو بحال کر دیا۔

۵۔ عصرِ حاضر میں پھر یہ قبضہ چھن گیا۔ اب پانچویں بار عبادی الصالحون ارض مقدسہ کے وارث ہوں گے۔ ذالك تقدیر العزیز الحمید۔

(۷)

اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا میں ایک عمومی پیشگوئی بھی موجود ہے۔ الارض سے مراد عام زمین ہے۔ اس صورت میں وراثت ارض سے مراد اکناف عالم کی حکومت ہے جو کہ مسلمانوں کو عطا ہوئی۔ مقدر یہ ہے کہ رحمۃ للعالمین کے ذریعہ ساری دنیا اسلام کے پروں کے سایہ کے نیچے آجائے۔ صادق و مصدوق صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"میرے رب نے زمین کو میرے لئے سکیڑ دیا اور اس کی مشرقی اور مغربی زمینیں مجھے دکھائی گئیں۔ اور میری امت کی بادشاہت وہاں تک پہنچے گی۔ جہاں تک کہ زمین سکیڑ کر مجھے دکھائی گئی۔ اور مجھے دو خزانے دیئے گئے ہیں۔ ایک سرخ اور ایک سفید"

یہ حدیث مسلم ابوداؤد اور ترمذی میں ہے۔

اسلام کے عالمگیر غلبہ کی یہ ایک عظیم الشان بشارت ہے۔ زبور کے آغاز میں آنے والے عظیم الشان نبی کو مخاطب کر کے یہ کہا گیا۔

"مجھ سے مانگ اور میں کافروں کو تیرے قبضہ میں اور زمین کی انتہائی حدود تیری ملکیت میں دے دوں گا" (زبور ۲ ترجمہ سریانی بائبل از لامزا)

پھر ۴۵ باب میں ہے:۔

"تیرے بیٹے تیرے آباء کے جانشین ہوں گے۔ تو ان کو تمام زمین پر سردار مقرر کرے گا۔ میں تیرے نام کی یاد پشت در پشت قائم رکھوں گا۔ اس لئے امتیں ابدالآباد تک تیری تعریف کریں گی" ($\frac{۴۵}{۱۶،۱۸}$)

کتاب زبور حضرت داؤد علیہ السلام کے مزامیر کا مجموعہ ہے۔ موجودہ زبور کے ۵ حصے ہیں۔ زبور اوّل بطور تمہید

کے ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ زبور اوّل بعد میں بڑھایا گیا۔ اصل کتاب زبور دوم سے شروع ہوتی ہے۔ زبور دوم میں آنے والے عظیم الشان پیغمبر کی عالمگیر بادشاہت کی بشارت ہے اور یہ ذکر ہے کہ وہ ارضِ مقدسہ پر قابض ہوگا۔ یہ الفاظ قابل غور ہیں

"مجھ سے مانگ اور میں قوموں کو تیری میراث میں اور زمین کی انتہائی حدود تیری ملکیت میں دے دوں گا۔ تو ان پر لوہے کے عصا سے حکومت کرے گا (سریانی بائیبل ۸ تا ۹)
پس اے بادشاہو سمجھ لو۔ اور زمین کے حکمرانو تربیت حاصل کرو...... بیٹے کو چومو۔
مبادا وہ ناراض ہو جائے۔ میں نے اپنے کوہ مقدس صیہون پر (یعنی ارضِ مقدسہ میں) اپنا ہی بادشاہ مقرر کیا ہے۔" (سریانی بائیبل ۲/۱)

زبور ۲۴ میں ارضِ مقدس میں جلیل بادشاہ کی آمد کا ذکر ہے۔ ۳۷ باب میں صلحاء کے قبضہ کی بشارت پانچ دفعہ دہرائی گئی۔ — قرآن حکیم میں من بعد الذکر کے الفاظ میں اسی عظیم الشان پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی نبی موعود کی عالمگیر سلطنت کی بشارت کے بعد زبور میں یہ لکھا گیا کہ ارض مقدسہ کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ گویا زبور کا آغاز جس بشارت سے ہوتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل زبور ۲۴ و ۳۷ باب میں ہے ؛

امتحان انصار اللہ سہ ماہی اول

تاریخ امتحان ۲۱/۲۲ مارچ ۱۹۷۵ء ؛

نصاب :- ۱۔ ترجمہ قرآن کریم پارہ ۵ نصف آخر
۲۔ آیت خاتم النبیین کی تشریح قرآن و حدیث کی روشنی میں
۳۔ حدیث لا نبی بعدی کا مفہوم

نوٹ ۱ ۔ تمام زعماء / زعماء اعلیٰ کی خدمت میں گذارش ہے کہ حسب فیصلہ شوریٰ انصار اللہ ۱۹۷۱ء تمام اراکین انصار اللہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ رسالہ بنیادی معلومات میں مندرج مضامین کو اچھی طرح ذہن نشین کریں۔ اور اس کا امتحان دیں۔

۲ ۔ تمام زعماء / زعماء اعلیٰ ضلع جھنگ و کراچی سے گزارش ہے کہ آپ کے حلقہ میں تعلیم القرآن کی ذمہ داری حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے انصار پر ڈالی ہے۔ اس ذمہ داری کو کماحقہ ادا کرنا آپ کا اولین فرض ہے۔
مندرجہ بالا ہر دو امور کے بارے میں تسلی بخش انتظام کر کے مرکز کو جلد از جلد مطلع کریں۔

(قائد تعلیم انصار اللہ مرکزیہ)

ہمارے عقائد

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم

(خدا کے بعد میں محمدؐ کے عشق میں مخمور ہوں)

بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں ؎

ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مدام — دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے
اس سے بہتر نظر آیا نہ کوئی عالم میں — لاجرم غیروں سے دل اپنا چھڑایا ہم نے
شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے — تیرے پانے سے ہی اس ذات کو پایا ہم نے

زندگی بخش جامِ احمدؐ ہے — کیا ہی پیارا یہ نام احمدؐ ہے
لاکھ ہوں انبیاء مگر بخدا — سب سے بڑھ کر مقام احمدؐ ہے

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا — نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر — لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

"پاک محمدؐ مصطفیٰ نبیوں کا سردار" (حقیقۃ الوحی)

"تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔" (کشتی نوح ص ۲۱/۲۲)

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم ؁ گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم (ازالۂ اوہام)

خدا کے عشق کے بعد میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے عشق میں مخمور ہوں۔ اگر یہ کفر ہے تو خدا کی قسم میں بڑا کافر ہوں۔

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم ؁ یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است

یہ جاری چشمہ جو میں مخلوقِ خدا میں تقسیم کر رہا ہوں۔ یہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے سمندر کا ایک قطرہ ہے۔

مصطفےٰ پر تیرا بیحد ہو سلام اور رحمت

جب سے یہ نور ملا نور پیمبر سے ہمیں ۔۔۔ ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے
مصطفےٰ پر تیرا بیحد ہو سلام اور رحمت ۔۔۔ اس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے
ربط ہے جانِ محمد سے مری جاں کو مدام ۔۔۔ دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے
اس سے بہتر نظر آیا نہ کوئی عالم میں ۔۔۔ لاجرم غیروں سے دل اپنا چھڑایا ہم نے
مورد قہر ہوئے آنکھ میں اغیار کی ہم ۔۔۔ جب سے عشق اس کا تہ دل میں بٹھایا ہم نے
زعم میں ان کے مسیحائی کا دعوی میرا ۔۔۔ افترا ہے جسے از خود ہی بنایا ہم نے
کافر و ملحد و دجال ہمیں کہتے ہیں! ۔۔۔ نام کیا کیا غم ملت میں رکھایا ہم نے
گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو ۔۔۔ رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے
تیرے منہ کی ہی قسم میرے پیارے احمد ۔۔۔ تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے
تیری الفت سے ہے معمور مرا ہر ذرہ ۔۔۔ اپنے سینہ میں یہ اک شہر بسایا ہم نے
صف دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال ۔۔۔ سیف کا کام قلم سے ہی دکھایا ہم نے
نور دکھلا کے ترا سب کو کیا ملزم و خوار ۔۔۔ سب کا دل آتش سوزاں میں جلایا ہم نے
نقش ہستی تیری الفت سے مٹایا ہم نے ۔۔۔ اپنا ہر ذرہ تری رہ میں اڑایا ہم نے
تیرا میخانہ جو اک مرجعِ عالم دیکھا ۔۔۔ خم کا خم منہ سے بصد حرص لگایا ہم نے
شان حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے ۔۔۔ تیرے پانے سے ہی اس ذات کو پایا ہم نے
چھو کے دامن ترا ہر دام سے ملتی ہے نجات ۔۔۔ لا جرم در پہ ترے سر کو جھکایا ہم نے
دلبرا مجھ کو قسم ہے تیری یکتائی کی ۔۔۔ آپ کو تیری محبت میں بھلایا ہم نے
بخدا دل سے مرے مٹ گئے سب غیروں کے نقش ۔۔۔ جب سے دل میں یہ ترا نقش جمایا ہم نے
دیکھ کر تجھ کو عجب نور کا جلوہ دیکھا ۔۔۔ نور سے تیرے شیاطیں کو جلایا ہم نے
ہم ہوئے خیر امم تجھ سے ہی اے خیر رسل ۔۔۔ تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے
آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام ۔۔۔ مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے
قوم کے ظلم سے تنگ آکر مرے پیارے آج ۔۔۔ شور محشر تیرے کوچہ میں مچایا ہم نے

(درثمین)

ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا۔